باب: 05

حضرت علی مرتضیٰؓ

(598 - 661 AD)

علیؓ، حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں۔ آپ کی والدہ، فاطمہ بنت اسد نے پہلے آپ کا نام حیدر رکھا تھا۔ مگر بعد میں آنحضرتؐ نے آپ کا نام، علی، تجویز فرمایا۔ آپ کے والد عبد مناف ہیں جو اپنی کنیت "ابو طالب" سے زیادہ مشہور ہوئے۔ ابو طالب، قریش کی ایک ممتاز شخصیت تھی۔ آنحضرتؐ کو حضرت علیؓ کے والد سے جو تعلق تھا ویسا کسی اور چچا سے نہ تھا۔ ابو طالب کعبہ کے متولی بھی تھے۔ حضرت علیؓ، آنحضرتؐ ہی کے دامنِ پرورش میں پل کر بڑے ہوئے۔ چناں چہ آپ کی شخصیت زمانۂ جاہلیت کی تمام آلودگیوں سے پاک رہی۔ اس ٹریننگ کا نتیجہ یہ بھی ہوا کہ جب آپؐ نے پہلی بار اسلام کی دعوت دی تھی تو نو عمروں میں حضرت علیؓ نے اس پر سب سے پہلے لبیک کہا۔ اُس وقت آپ کی عمر صرف سال کی تھی۔ حضرت علیؓ چونکہ آنحضرتؐ کی نگرانی میں پلے بڑھے تھے اس لیے آپ کو زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے اور حق و باطل کو پہچاننے کا جو شعور ملا وہ کسی اور کے حصے میں نہ آیا۔ آپ کے متعلق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "میں علم کا شہر ہوں تو علی اس کا دروازہ ہیں"۔

حضرت علیؓ کا رنگ گندمی، قد چھوٹا، آنکھیں بڑی بڑی، چہرہ حسین و شگفتہ تھا۔ سینے پر کثرت سے بال تھے۔ جسم توانا، چست اور سڈول تھا۔ بازو اور پنڈلیاں پُر گوشت تھیں۔ آپ سر پر بال نہیں رکھتے تھے۔ نہایت خوش اخلاق، اور خوش مزاج طبیعت کے مالک تھے۔ درگذر کا تو یہ عالم تھا کہ آپ بڑی سے بڑی خطا کو معاف فرما دیتے تھے۔ آپ کو مختلف علوم و فنون میں جو درجۂ امتیاز حاصل تھا ان میں تجوید، تفسیر، تصوف، علم کلام، نحو، کتابت اور شعر گوئی شامل ہیں۔ آپ ایک بڑے خطیب بھی تھے۔

آپ شروع سے آخر تک رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دست و بازو رہے۔ حتیٰ کہ اپنی جان بھی فدا کر دینے کے لیے تیار رہے۔ مدینہ ہجرت کے لیے نکلنے والی رات جب آنحضرتؐ کا حکم ہوا کہ تم میرے بستر پر یوں

لیٹ جاؤ جیسے میں موجود ہوں تو آپ نے اس پر بہ خوشی عمل کیا۔ موت آپ کے سر پر کھڑی تھی لیکن آپ نے کسی بات کی پرواہ نہیں کی۔ صبح اُٹھ کر آپ باہر آئے تو دشمن حیران ہو گئے کہ یہ کیا ہو گیا۔ انہیں حضرت علیؓ پر شدید غصہ بھی آیا لیکن آنحضرتؐ تو جا چکے تھے۔ آپؐ کے مدینہ روانہ ہونے کے تیسرے دن خود حضرت علیؓ بھی مدینہ کے لیے نکلے۔ ان تین دنوں میں آپ نے آنحضرتؐ کی دی ہوئی تمام امانتیں، حسبِ ارشاد، سب کو لوٹائیں۔

مدینہ آنے کے بعد 2AH/624AD میں آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کو اپنی دامادی کا شرف بخشا۔ ایک روز حضرت علیؓ اپنی اہلیہ حضرتہ فاطمہؓ سے کسی بات پر الجھن سے بچنے کے لیے گھر سے باہر نکل کر زمین پر لیٹ گئے۔ اتفاقاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر اس طرف سے ہوا۔ آپ کی پیٹھ پر لگی مٹی کو دیکھ کر آپؐ نے فرمایا -"اے ابو تراب اٹھ بیٹھو"۔ اس روز سے آپ کا لقب "ابو تراب" پڑ گیا۔ جب مدینہ میں مواخات و برادری کا سلسلہ قائم ہوا تو حضرت علیؓ کی کسی کے ساتھ جوڑی نہیں بنائی گئی۔ آپ نے رسول کریمؐ سے دریافت کیا کہ ایسا کیوں۔۔؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمای"۔۔اے علی دنیا و آخرت میں تم میرے بھائی ہو۔۔۔"۔

حضرت علیؓ نے بدر، اُحد، خندق، اور حنین وغیرہ کے غزوات میں دادِ شجاعت دی۔ متعدد سرایا آپ کی ماتحتی میں بھیجے گئے، جنہیں آپ نے کامیابی کے ساتھ سرانجام دیا۔ فتحِ خیبر 7AH/629AD کا واقعہ ہے۔ اس میں حضرت علیؓ کی شجاعت خاص طور پر مشہور ہے۔ جب یہودی، مسلمانوں کے ساتھی ہونے کا دعویٰ رکھنے کے باوجود، جنگِ احزاب میں کفار سے مل گئے اور انہوں نے مسلمانوں سے لڑنے کے لیے تیاری کی تو مسلمانوں نے بھی ان کی سرکوبی کے لیے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سرکردگی، خیبر پر حملہ کر دیا۔ یہ لڑائی یا محاصرہ تین چار روز تک رہا۔ بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیرِ خدا کو جھنڈا دے کر خیبر کی طرف روانہ فرمایا۔ حضرت علیؓ نے اپنی قوتِ ولایت سے قلعہ کے دروازے کے پٹ کو اس زور کا جھٹکا دیا کہ اس کی چولیں ٹوٹ گیئں اور دروازہ کھل گیا۔ پھر اس پٹ کو خندق پر بچھا دیا گیا۔ جس پر سے لوگ گزر کر قلعہ خیبر میں داخل ہو گئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ دروازہ اس قدر مضبوط تھا کہ کئی آدمی مل کر بھی اس کو اٹھا نہیں سکتے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کے ساتھ گوناگوں تعلقات و خصوصیات کی بنا پر حضرت علیؓ قدرتاً خلافتِ نبویؐ کے متوقع تھے، اس لیے پہلے پہلے تو حضرت ابو بکرؓ کے انتخاب میں آپ کو آزردگی

پیدا ہوئی تھی لیکن پھر جلد دور بھی ہو گئی۔ حضرت علیؓ پہلے دونوں خلفاء کے زمانہ میں ان کی مجلسِ شوریٰ کے رکن رہے۔ حضرت عمرؓ کو خصوصیت کے ساتھ آپ کے مفید مشوروں پر بڑا اعتماد تھا۔ آپ کے ان مشوروں سے خلافتِ اسلامیہ کو بہت فائدہ بھی پہنچا۔ آپ کا جہاں تک بس چلا حضرت عثمانؓ کی بھی حمایت کرتے رہے۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد تین دن تک مسندِ خلافت خالی رہی۔ مدینہ میں ہر طرف باغیوں نے ایک قیامت برپا کر رکھی تھی۔ لیکن خلافت کا قیام تو ضروری تھا۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کی تحریک پر حضرت علیؓ کے ہاتھ پر بیعت کرنا ٹھہرا۔ یوں 22 ذی الحجہ 35AH/656AD کو آپ نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا۔

حضرت علیؓ، عثمانیؓ عہد کے اکثر عہدیداروں سے ناخوش تھے۔ خصوصاً حضرت امیر معاویہؓ کے تو آپ سخت مخالف تھے۔ اس لیے تختِ خلافت پر قدم رکھتے ہی آپ نے ان کو معزول کر دیا۔ امیر معاویہؓ بیس بائیس سال سے شام کے والی چلے آرہے تھے لہٰذا یہاں ان کا بڑا اثر تھا۔ اُس وقت بڑے بڑے صحابہ، حضرت عثمانؓ کی دردناک شہادت سے متاثر تھے۔ اور قاتلوں کا پتہ لگا کر ان سے قصاص لینے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ چنانچہ امیر معاویہؓ نے اس کا فائدہ اُٹھایا اور مدینہ سے حضرت عثمانؓ کے خون آلود کپڑے اور ان کی اہلیہ نائلہؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں منگا کر ان کو دمشق کی مسجد میں آویزاں کر دیا۔ اس سے شام کے مسلمانوں کے جذبات بھڑک اٹھے۔ جواباً حضرت علیؓ نے بھی امیر معاویہؓ سے مقابلہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کئی صحابہ اپنی تلواریں مسلمانوں کے خلاف اٹھانے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس موقع پر حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ تو اجازت لے کر مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

حضرت عائشہؓ، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے وقت مکہ میں قیام پذیر تھیں۔ اس کے بعد ہی سے آپ اس قتل کے قصاص کی خواہشمند تھیں۔ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ سے مدینہ کی تازہ ترین صورت حال جان کر تو آپ اور بھی بے چین ہو گئیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کی دعوتِ قصاص پر لاتعداد مسلمان سرفروشی کے لیے آمادہ ہو گئے۔ یہ مسئلہ تو امیر معاویہؓ سے جنگ سے بھی نازک تر ہو گیا۔ کیونکہ ایک طرف ام المؤمنین تھیں تو دوسری جانب خلیفۂ وقت تھے جن کے ہمراہ قاتلینِ عثمانؓ بھی تھے۔ چنانچہ اس نزاکت کو سمجھتے ہوئے صورتِ حال کو سنبھالنے کے لیے کوششیں بھی عمل میں آنی شروع ہو گئیں۔ قعقاعؓ بن عمرو معاملے کو سلجھانے میں کافی حد تک کامیاب بھی ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ سب سے پہلے تو حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ کے درمیان مصالحت ہو تاکہ حالات سکون پزیر ہو جائیں، پھر قصاص کا معاملہ بھی کسی صورت طے ہو ہی جائے گا۔ مگر جیسے جیسے مصالحت میں پیش قدمی کی

صورت پیدا ہوتی جاتی ویسے ویسے منافقین ، خصوصاً سبائی گروہ اس کے خلاف سازشوں کے جال بنتے رہے۔ تاہم حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں صلح کی آخری گفتگو ہو ہی گئی۔ اور فریقین اس مصالحت پر مسرور اپنے اپنے لشکر گاہوں میں جا کر سو گئے۔

سبائیوں کو یہ صلح بڑی شاق گذری۔ انہوں نے دیکھا کہ اگر یہ رات خیریت سے گذر گئی تو صبح کو صلح کا عام اعلان ہو جائے گا اور لوگ امن سے اپنی راہ لیں گے اور بعد میں یہی امن ، اُن کے لیے جان لیوا بن سکتا ہے۔ چنانچہ رات کے اندھیرے میں سبائیوں نے خود ہی سے دونوں فوجوں پر حملہ کر دیا۔ اِس نے اُن دونوں کو گھبرا دیا اور نتیجے میں فریقین کے درمیان باقاعدہ خونریز جنگ شروع ہو گئی۔ اس لڑائی کے دوران حضرت زبیرؓ اور حضرت طلحہؓ شہید ہو گئے۔ حضرتہ عائشہؓ فوج کے درمیان اونٹ پر بیٹھی جانثاروں کی حوصلہ افزائی فرما رہی تھیں۔ حضرت علیؓ نے محسوس کیا کہ جب تک یہ اونٹ اپنی جگہ پر قائم ہے یہ جنگ جاری رہے گی۔ چنانچہ آپ کے حکم سے اونٹ کے پاؤں زخمی کر کے اسے گرا دیا گیا۔ اس کے بعد لڑائی کا نقشہ بدل گیا اور حضرتہ عائشہؓ کی فوج کی ہمت ٹوٹ گئی۔ عربی میں اونٹ کو 'جمل' کہتے ہیں لہٰذا تاریخ میں یہ لڑائی "جنگِ جمل" کہلاتی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ فوراً ہی حضرتہ عائشہؓ اور حضرت علیؓ دونوں نے اس بات پر غور کیا کہ جب ہمارے درمیان صلح طے پا چکی تھی تو پھر یہ جنگ کیوں ہوئی۔۔! اور بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ اس کی بنیاد محض غلط فہمی تھی۔ اس طرح سے اگرچہ کہ اس جنگ کا آغاز سبائیوں کی فتنہ انگیزی سے ہوا لیکن خاتمہ فریقین کی صفائیٔ قلب پر رہا۔

جنگِ جمل کے اختتام کے بعد 36AH/657AD میں حضرت علیؓ عراق واپس تشریف لائے اور مدینہ کے بجائے کوفہ کو خلافت کا مرکز قرار دیا۔ اس تبدیلی کی اہم وجہ یہ تھی کہ شہادتِ عثمانؓ کے دوران حرمِ نبویؐ کی بڑی توہین ہوئی تھی اس لیے آیندہ کے لیے اس مقدس مقام کو شر و فتنہ کی زد سے دور رکھنے کے لیے آپ نے یہاں سے سیاسی سرگرمیوں کو ہٹانے کا فیصلہ کیا۔ حضرت علیؓ کے اس اقدام سے مدینہ کسی حد تک محفوظ تو ہوا لیکن اس شہر کی سیاسی اہمیت بھی کم ہو گئی۔ خود حضرت علیؓ اپنے اصلی مرکز سے دور ہو گئے جس کے نتائج آگے چل کر کچھ مفید ثابت نہ ہوئے۔

حضرت علیؓ ، صدر مقام کی اس تبدیلی کے بعد امیر معاویہؓ کی طرف پھر سے متوجہ ہوئے اور انہیں خط لکھ کر اپنی بیعت پر اصرار کیا۔ امیر معاویہؓ نے اس مسئلہ پر عمروؓ بن العاص سے مشورہ لیا۔ ان دونوں کے درمیان یہ طے پا گیا کہ حضرت علیؓ سے بیعت نہیں کی جائے گی۔۔۔ اور دونوں نے آپس میں یہ بھی عہد و پیمان کر لیا کہ

شام میرا اور مصر تمھارا۔ جس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ نے ان سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ امیر معاویہؓ بھی مقابلہ کے لیے نکل پڑے اور اپنی فوجیں فرات کے کنارے 'صفین' کے میدان میں اتار دیں۔ جمادی الاول 37H/658AD میں فوجوں کے درمیان باقاعدہ لڑائی کا سلسلہ شروع ہو گیا جو کئی ماہ تک جاری رہا۔ دونوں کا بھاری نقصان بھی ہوا۔ ایک موقع پر امیر معاویہؓ نے لڑائی ختم کرنے کے لیے قرآن کو حکم بنا دیا۔ حضرت علیؓ کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہ رہا تھا کہ لڑائی بند کر کے تحکیم کا معاہدہ کر لیں۔ چنانچہ حضرت علیؓ کی طرف سے ابو موسیٰ اشعریؓ اور امیر معاویہؓ کی طرف سے عمروؓ بن العاص حکم ٹھہرے۔ پہلے ابو موسیٰ اشعریؓ نے حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ دونوں ہی کی برطرفی اور شوریٰ سے نئے خلیفہ کے انتخاب کا اعلان کیا۔ مگر عمروؓ بن العاص عین وقت پر اپنے وعدہ سے پھر گئے اور کہا کہ میں حضرت علیؓ کی معزولی کا فیصلہ تو برقرار رکھتا ہوں لیکن امیر معاویہ کی معزولی کو نہیں مانتا۔ یوں ایک بالکل ہی نامنصفانہ فیصلہ سامنے آ گیا۔ اس فیصلہ کے بعد امیر معاویہؓ کے حامیوں نے انہیں فوری باضابطہ خلیفہ بھی تسلیم کر لیا۔

حضرت علیؓ کے حامیوں میں سے ایک گروہ نے اس تحکیم کے پورے عمل کو ہی مسترد کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ معاملاتِ دین میں کسی انسان کو حکم بنانا کفر ہے۔ پھر وہ اپنی بات پر اس قدر شدید بھی ہو گئے کہ انہوں نے اس فیصلہ کے ماننے والوں کو کافر بھی قرار دے دیا اور کہا کہ ان سے جہاد فرض ہے۔ یہی جماعت بعد میں 'خوارج' کے نام سے موسوم ہوئی۔ الغرض انہوں نے حضرت علیؓ کو مجبور کیا کہ وہ اس تحکیم سے دور رہیں۔ لیکن حضرت علیؓ عہد کر کے انکار کرنے کے لیے کسی طور پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ خارجی بھی حضرت علیؓ کے لیے ایک مخالف جماعت بن گئے۔ بلکہ نوبت یہاں تک جا پہنچی کہ ان سے ایک اور خونریز جنگ بھی کرنا پڑی۔

38AH/659AD تک امیر معاویہؓ نے نہ صرف شام میں اپنے قدم پوری طرح سے جما لیے بلکہ وہ مصر پر قبضہ کرنے میں بھی کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے اپنے وعدہ کے مطابق عمروؓ بن العاص کو مصر کا والی بنا دیا۔ پھر کچھ ہی عرصہ بعد انہوں نے مشرق اور جنوبی علاقوں کی طرف بھی بڑھنا شروع کر دیا جن پر حضرت علیؓ کی حکمرانی تھی۔ حتیٰ کہ 39AH/660AD میں حج کے موقع پر اپنے ایک آدمی کو امیر الحج بنا کر مکہ روانہ کیا اور انہیں یہ کام بھی سونپا کہ وہ مکہ سے حضرت علیؓ کے عامل کو نکال کر وہاں کے لوگوں کو اپنی بیعت پر آمادہ کریں۔ چونکہ دونوں طرف کے لوگ حرم کے امن میں خلل ڈالنے کے حامی نہ تھے اس لیے امیر معاویہؓ کو اس میں کامیابی نہ ہو سکی۔

یوں، حضرت علیؓ کا پورا عہدِ خلافت، خانہ جنگی اور اندرونی خلفشار میں گذرا۔ ایک دن کے لیے بھی آپ کو ملکی نظم و نسق کے قیام کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ہی نہ ملی۔ اس لیے تعمیری کاموں کے لحاظ سے آپ کا دَور اپنے پیشروؤں کے مقابلہ میں ناکام رہا۔ اس ناکامی کے بنیادی اسباب میں اہم بات تو یہ تھی کہ آپ کے وقت تک بہت سے اکابر صحابہ جو خلافت کے رکن اعظم تھے، اس دنیا سے اُٹھ چکے تھے۔ اور ان کی جگہ نئی پود لے رہی تھی۔ اُن میں نہ تو اپنے بزرگوں کا سا اخلاص تھا اور نہ ہی سچا جوش اور ولولہ۔ بلکہ ان کے اغراض ہی بالکل مختلف تھے۔

حضرت علیؓ کو ناکام رکھنے والوں میں وہ نو مسلم عجمی بھی تھے جو اہلِ بیت کی محبت کی آڑ میں مسلمانوں سے اپنی قومی بربادی کا انتقام لینا چاہتے تھے۔ انہیں حضرت علیؓ تو کیا، اسلام ہی سے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ ان ہی لوگوں نے اہلِ بیت اور غیر اہلِ بیت کا سوال کھڑا کر کے مسلمانوں کے اتحاد کا خاتمہ کر دیا۔

40AH/661AD میں حضرت علیؓ کی شہادت کا حادثہ پیش آیا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ خارجیوں سے نہروان کی لڑائی میں ان کا سخت نقصان ہوا تھا۔ اس لیے ان کی جماعت کے تین آدمیوں نے باہم مشورہ کیا اور فیصلہ کیا کہ علیؓ، معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص میں سے کوئی بھی حکومت کرنے کا اہل نہیں۔ ان کی خانہ جنگی کی وجہ سے خلقِ خدا مصیبت میں مبتلا ہے۔ لہٰذا انہیں ختم کیے بغیر امن و سکون قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ایک نے حضرت علیؓ کو، دوسرے نے امیر معاویہؓ کو اور تیسرے نے عمروؓ بن العاص کو شہید کرنے کا بیڑہ اُٹھایا۔ اور پھر تینوں نے ایک ہی دن متعین کر کے فجر کی نماز میں ان تینوں بزرگوں پر حملہ کیا۔ اتفاق سے عمرو بن العاصؓ کی بجائے اُس دن کوئی اور نماز کی امامت کر رہا تھا، لہٰذا ان کے دھوکے میں وہ شخص مارا گیا۔ امیر معاویہؓ پر وار کمزور لگا، اس لیے وہ فوری علاج سے بچ گئے۔ جب کہ حضرت علیؓ پر حملہ کے وقت ایک کی بجائے دو لوگ ہو گئے اور آپ پر وار کاری بھی پڑا۔ خنجر بھی زہر آلود تھا، اس لیے بہت جلد آپ کے بدن میں پھیل گیا۔ یوں زخمی ہونے کے تیسرے دن 21 رمضان 40AH/661AD کو 63 برس کی عمر میں حضرت علیؓ نے انتقال فرمایا۔

بہر صورت، حضرت علی مرتضیٰؓ کا ایک بڑا اعزاز یہ ہے کہ آپ امت کے امین تھے۔ شجاعت آپ کا خاص وصف تھا۔ مختلف غزوات میں آپ کی بہادری یقیناً تاریخ کا ایک سنہری باب ہے۔ آپ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے۔ عادلانہ فیصلہ کرتے تھے۔ علم کے بارے میں تو حضرت علی مرتضیٰؓ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کہنا کہ " **میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ** " تمام مسلمانوں کے لیے یقیناً فرمانِ آخر ہے۔